حوادث و نوازل

مولانا مفتی احمد العلی صاحب۔ کراچی
سابق مہتمم مطلع العلوم رامپور

اعضاء انسانی سے پیوندکاری

قسط ۳

ثانیاً ہماری مسطورہ بالا فقہاء کی روایات و اقوال سے آپکو یہ معلوم ہوگیا کہ فقہاء احناف و باقی تین ائمہ کا اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ ایک شخص اضطرار کی حالت کو پہنچ جائے۔ احناف کے نزدیک انسان کے اعضاء جسمانی کے ماسوا دیگر محرمات سے تو انتفاع بقدر ضرورت مباح ہوگا، لیکن انسانی کسی عضو سے انتفاع مباح نہ ہوگا۔ بخلاف فقہاء امام مالک و شافعی و امام حنبل کے ان کے نزدیک جسطرح اضطرار کی حالت میں کسی مردار جانور یا خون یا شراب سے انتفاع جائز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی اجزاء سے بھی جائز ہوگا۔

فقہاء حنفیہ کے نزدیک چونکہ انسان کے اعضاء کے استعمال کی حرمت اس کے اعزاز و احترام کی بنا پر ہے، اس لئے اسکو مردار جانور پہ اس لئے قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ مردار یا خون یا شراب کا حرام ہونا ان کی نجاست کی بنیاد پہ ہے، دونوں مسئلوں کے حکم کی علت ایک دوسرے کی علت سے مختلف ہے۔ فقہاء مالکیہ و شافعیہ و حنبلیہ نے مردہ انسان کے اعضا یا زندہ انسان سے قطع کئے ہوئے کسی حصہ کو میت (مردار جانور) میں شامل تصور کر کے میت کا حکم مرتب کیا ہے۔ لیکن فقہاء احناف نے انسانی اعضاء یا اس کے جسم سے کسی قطع کئے ہوئے حصہ کو میت میں شامل نہیں کیا اس لئے میت (مردار) کے حکم میں بھی اس سے مختلف رکھا ہے۔ چنانچہ احناف کے علاوہ دیگر ہر سہ آئمہ میت کو اضطرار حالت میں مباح قرار دیتے ہیں۔ لیکن احناف انسانی اعضاء یا انسان کی میت کو میت کے درجہ میں تصور کر کے حالت اضطرار میں میت کی مثل ان پر اباحت کا حکم نافذ نہیں کرتے، جہاں تک ہماری فکر و نظر کا تعلق ہے ہم حنفی فقہاء ائمہ کے قول کو کتاب و سنت سے زائد قریب پاتے ہیں۔

قرآن کریم میں حیوانات ماکولہ کا (جنکو شرع نے حلال قرار دیا ہے) پانچ مقامات پر ذکر

فرمایا گیا ہے:

۱- انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ - سورۂ بقرہ - ۱۷۳
۲- حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ - سورۂ مائدہ - ۳
۳- قل لا اجد فی ما اوحی الیّ محرماً علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دماً مسفوحاً او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقاً اھل بہ لغیر اللہ بہ - سورہ انعام - ۱۴۵
۴- انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ - سورۂ نحل - ۱۱۵
۵- وان یکون میتۃ فہم فیہ شرکاء - سورۂ انعام - ۱۳۹

مذکورہ تمام آیات کے سیاق و سباق سے واضح ہے کہ میتہ کے لفظ سے وہ مردار جانور ہیں جنکو عرب کے لوگ حلال تصور کرکے استعمال کرتے تھے اور ان کی عرف میں ایسے ہی جانوروں کو جو اپنی موت مر گئے ہوں میتہ کہا جاتا تھا۔ انسان کی لاش پر یا اسکے بریدہ اعضاء پر میتہ کے لفظ کا استعمال نہ ہوتا تھا۔ اور نہ ان کی عرف میں یہ لفظ مردہ انسان کے لئے معروف تھا۔ بلکہ مردہ انسان کی لاش پر میّت کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم کی مسطورہ بالا پانچ آیات میں ان کی اسی عرف کا لحاظ فرماتے ہوئے مطعومات سے مردہ جانوروں پر میتہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جسکا انسانی لاش سے کوئی تعلق نہیں۔ انسان کی مردہ لاش مطعومات میں شامل نہ تھی اور نہ اس پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا تھا۔ بلکہ اس کے مقابلہ میں انسانی لاش کو مَیّت یا مَیْت کہا جاتا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں مردہ انسان کے حق میں کسی مقام پر★ مَیْتَۃ کا استعمال فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: ویاتیہ الموت من کل مکان وما ھو بمیّت - سورۂ ابراہیم - ۱۷ اور فرمایا ہے: انک میّت وانھم میّتون - سورۂ زمر - ۳۰ اور فرمایا ہے: ثم انکم بعد ذلک لمیتون - سورۂ المؤمنون - ۱۵ فرمایا ہے: افما نحن بمیّتین الا موتتنا الاولیٰ - سورۂ الصافات - ۵۸ - اور فرمایا ہے: اومن کان میتاً فاحییناہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس - سورۂ انعام - ۱۲۲ - اور فرمایا: ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ - سورۂ الحجرات - ۱۲ سورۂ حجرات کی یہ آیت حنفی ائمہ کے مسلک کی تائید کرتی ہے۔ یعنی کتاب اللہ کے نزدیک کسی انسان سے یہ امید نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ یہ منشاء آیت کریمہ کا اسی صورت میں مکمل طور پر تکمیل پائے گا جبکہ انسان کی مردہ لاش سے انتفاع ناجائز قرار دیا جائے۔

نیز جن آیات میں جمع کے صیغے استعمال فرمائے گئے ہیں۔ وہ تمام صیغے لفظ مَیّت یا مَیْت

★ مَیْتَۃ کا لفظ نہیں استعمال کیا گیا ہے۔ بلکہ میت یا مَیّت کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے اور ایک مقام پر

ہی کی جمع کے صیغے ہیں۔ چنانچہ ان دونوں لفظوں کی جمع موتی، اموات، میتون، میتین، حسب ذیل آیات ومقامات پر استعمال فرمائے گئے ہیں۔ سورۂ بقرہ ۱۵۴، ۲۸۔ سورۂ نحل ۲۱۔ سورۂ فاطر ۲۲۔ آل عمران ۱۶۹۔ سورۂ مرسلات ۲۶ میں لفظ اموات استعمال فرمایا گیا ہے۔ اور سورۂ بقرہ ۷۳، ۲۶۰۔ سورہ آل عمران ۴۹۔ سورۂ مائدہ میں ۱۱۰۔ انعام میں ۲، ۳۶۔ اعراف میں ۵۷۔ رعد میں ۳۱۔ الحج میں ۶۔ نمل میں ۸۰۔ روم میں ۵۰، ۵۲۔ یٰسین میں ۱۲۔ فصّلت میں ۳۹۔ شوریٰ میں ۹۔ احقاف میں ۳۳۔ القیامہ ۴۰۔ لفظ موتی استعمال فرمایا ہے۔ اور سورۂ مومنون ۱۵ و سورۂ زمر ۳۰۔ والصافات ۵۸ میں لفظ میتون ومیتین استعمال فرمایا ہے۔

ان تمام مذکورہ صدر آیات ومقامات پر مردہ انسان ہی کا ذکر ہے اور یہ تمام الفاظ لفظ میّت یا میْت کی جمع ہیں۔ کسی مقام پر لفظ میتہ، مفرد یا اسکی جمع کا صیغہ انسان کے حق میں نہیں استعمال فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ لفظ میتہ کی جمع میتات یا میّتات آتی ہے۔ یہ قرآن کریم کی کسی آیت میں مستعمل نہیں۔ لہذا مذکورہ آیات اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ مردہ انسان پر میتہ کے لفظ مفرد یا جمع کا اطلاق عرف عرب میں معروف ومستعمل نہ تھا۔ اور اس کا اطلاق انسان کی لاش یا بریدہ اعضاء پر خلاف کتاب اللہ وعرف عرب ہوگا۔

سورۂ مائدہ کے ایک مقام آیہ ۳۱ میں مردہ انسان کیلئے سوأۃ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: لیریہ کیف یواری سوءۃ اخیہ۔ اور فاواری سوءۃ اخی۔ معلوم ہوا کہ قرآنی وعرف عرب کی اصطلاحی اعتبار سے مردہ انسان پر میتہ کے لفظ کا اطلاق غیر صحیح ہے۔ اور اس لحاظ سے اسکو میتہ کے حکم میں بحالت اضطرار بھی اس سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا فقہاء شافعیہ کا مردہ انسان کو میتہ میں شامل کرنا اصطلاح قرآن وعرف عرب کے خلاف ہے۔ اسی طرح دیگر آئمہ کا قول۔

باقی رہا فقہاء شافعیہ کا یہ قول کہ حرمۃ الحی آکد من حرمۃ المیت۔ یعنی زندہ کا احترام مردہ انسان کے مقابلہ میں زائد قابل لحاظ ہے۔ اس موقعہ پر بھی ان حضرات کو غلط فہمی واقع ہوئی ہے اسکی وجہ بالکل واضح ہے کہ کسی زندہ انسان کا کسی مردہ انسان کے گوشت کو کھالینا یہ اس زندہ انسان کی حرمت کا سبب نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ عمل انسان کی اس شرافت اور احترام کے منافی ہوگا، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیگر حیوانات پر عطا فرمائی ہے۔ اور جس کے اعزاز واحترام کو ہر حالت میں قائم ودائم رکھنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں ہدایت بصورت تاکید

فرمائی ہے جنکو ہم اپنے مضمون ہذا کے سابقہ صفحات میں ناظرین کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ نیز دیگر ایسے ارشادات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتب احادیث میں مروی ہیں جن میں اسی احترام کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ فرمایا ہے: لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہٖ خیرلہٗ من ان یجلس علی قبرٍ[1]۔ یعنی تمہارے لئے کسی قبر پر بیٹھنے سے یہ بہتر ہوگا کہ آگ کے انگارے پر بیٹھو جس سے تمہارے کپڑے جل کر آگ تمہارے جسم کو جلا دے۔ اور فرمایا ہے: اذی المؤمن فی موتہٖ کاذاہ فی حیاتہٖ۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز مطبوعہ ملتان)

حضرت عمرو بن حزم کی حدیث میں منقول ہے: قال رأنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم متکئاً علی قبرٍ فقال لا تؤذ صاحب ھذا القبر او لا تؤذہٖ۔ یعنی حضرت عمرو بن حزم نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے ہوئے ملاحظہ فرمایا، ارشاد فرمایا، اس قبر والے کو اذیت نہ پہنچاؤ، یا فرمایا اس کو اذیت نہ پہنچاؤ۔

ان احادیث کے مطالعہ کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مومن انسان کا احترام اس قدر کیا جانا ضروری ہے کہ اس کے مر جانے کے بعد کسی زندہ انسان سے کوئی ایسا عمل وجود میں نہ آئے جو اس مردہ کے احترام میں خلل اندازی کا باعث ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مذکورہ بالا بحث و کتاب و سنت کی پیش کردہ دلائل سے واضح کے بعد یہ کہنا کہ ایک مضطر اپنی زندگی محفوظ رکھنے کیلئے دوسرے مردہ انسان کا گوشت استعمال کر سکتا ہے، یا اس کے جسمانی اعضاء سے کسی قسم کا انتفاع جائز ہے۔ بڑی جرأت کا کام ہوگا۔

اس کے بعد باقی رہ جاتا ہے ایک انسان کے جسم سے دوسرے کے جسم میں خون منتقل کرنیکا مسئلہ۔ یہ امر ظاہر ہے کہ خون ہی تمام جسمانی اعضاء کی پرورش کا ذریعہ ہے اور اس لحاظ سے یہ جسم کا جزو اعظم ہے۔ اور اس حیثیت سے جو حکم انسان کے دیگر اعضاء کا بیان کیا گیا ہے۔ اس کا بھی وہی حکم ہے۔ نیز جسم انسانی سے خون کی منتقلی کی کارروائی اسطرح ہوتی ہے کہ اولاً اس کو آلات کے ذریعہ ایک ایسی ٹیوب (بوتل) میں جمع کر لیا جاتا ہے کہ اس کی رقت و سیلان بدستور قائم رہے اور پھر یہ جسم سے خارج کیا ہوا بوتل کا خون ضرورت کے موقعہ پر دوسرے انسان کے جسم میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ ایک انسان کے جسم میں سوئی نما آلہ لگا کر اور اسی طرح کا دوسرا آلہ دوسرے

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ مسلم صفحہ ۱۴۸۔ مطبع اصح المطابع کراچی۔

کے جسم میں پیوست کرکے خون کو اس جسم سے دوسرے میں منتقل کیا جائے اگر ایسا ہی کیا جائے تب بھی خون آ رہے میں آنے کے بعد اول جسم سے خارج شدہ ہی تصور کیا جائے گا۔ اب ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ یہ خون (دم مسفوح) بہنے والا خون قرار پائے گا، جو نجس ہوگا۔ اور دم مسفوح کا حکم قرآن استعمال بغیر حالت اضطرار ممنوع ہے۔ البتہ اضطرار کی حالت میں مباح ہے۔ لیکن انسان کے خون میں صرف ایک یہی علت نجاست موجود نہیں بلکہ اس میں ایک دوسری علت بھی موجود ہے اور وہ اسکی فضیلت وکرامت ہے جسکی بناپہ دیگر اعضاء جسم کی مثل اس کا استعمال بطور معالجہ حرام ہوگا۔ اگر محض نجس ہونے کی بنا پہ ایسا ہوتا تو ممکن تھا کہ حیوانات کے دم مسفوح کی طرح بحالت اضطرار اس کا استعمال مباح کر دیا جاتا۔ اور جانوروں کے حرام پیشاب پر بھی قیاس کرلینا ممکن ہو جاتا۔ لیکن ہماری سابقہ تحقیق کے پیش نظر اس کے استعمال کا حرام ہونا صرف اس کے نجس ہونے کی بنا پہ نہیں ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ انسان کا خون اگرچہ اس کے جسم کا ایک جز ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ اسکو کسی نجس شے سے مشابہت دی جائے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ انسان کے کسی ایسے جز کی مثل قرار دیا جائے جو پاک اور بوقتِ ضرورت اس کا استعمال بھی جائز ہو۔ جیساکہ بچہ کی ماں کا دودھ کہ یہ پاک ہے اور بوقت ضرورت اس کا استعمال بھی جائز ہے۔ جیساکہ عالمگیری و دیگر کتبِ فقہ میں ہے کہ: لاباُس بان یسعط الرجل بلبن المرأۃ ولیشربہ للدواء۔ یعنی اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک انسان کسی عورت کے دودھ کو ناک کے ذریعہ اوپر چڑھالے یا منہ سے پی جائے کسی مرض کے علاج کیلئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے خون کو انسان (عورت) کے دودھ سے تشبیہ دینا صحیح نہیں۔ اس کی ایک وجہ تو وہی ہے کہ خون جسم سے خارج ہونے کے بعد نجس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی ائمہ کے نزدیک جبکہ وضو کی حالت میں کسی کے جسم سے بہنے والا خون نکل کر جاری ہو جائے (بہہ جائے) تو وضو جاتا رہے گا۔ اگر بقدر درہم کپڑے پر لگ جائے تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ماں کا دودھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بچے کیلئے اسکی پرورش کا ذریعہ بنایا ہے اسکی تخلیق ہی تغذیہ کیلئے ہے اور پاک ہے۔ چنانچہ اگر عورت وضو کی حالت میں بچے کو دودھ پلا دے تو اس کا وضو قائم رہے گا۔ اور کپڑے یا جسم پر لگ جانے سے کپڑا یا جسم ناپاک نہ ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خون کو ماں کے دودھ سے کوئی مشابہت نہیں۔ تاکہ دودھ پر قیاس کرکے اس سے معالجہ کو مباح قرار دیا جائے۔ خون کی تمام تر مشابہت حیوانات کے خون سے یا شراب سے یا پیشاب

سے قرار پاتی ہے۔ اور ایسی صورت میں بغیر حالت اضطرار کے اس کا معالجہ میں استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔ البتہ بحالت ضرورت (اضطرار) مباح ہو سکتا تھا لیکن جیسا کہ ہم نے سابقہ سطور میں بیان کیا ہے۔ اس کا استعمال محض اس کے نجس ہونے کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ اسکی عظمت و تکریم کی بنا پر ہے۔ اسی لئے ایک کنیز کے دودھ کو اس کا آقا دودھ کر فروخت نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ ہم نے اپنے مضمون کے وسط میں ردالمحتار کے حوالہ سے نقل کیا ہے جسکی اصل عبارت حسب ذیل ہے۔

وشعر الانسان لکرامۃ الآدمی ولو کافراً، ذکرہ المصنف وغیرہ فی بحث شعر الخنزیر، قولہ ذکرہ المصنف، حیث قال والآدمی مکرم شرعاً وان کان کافراً فایراد العقد علیہ وابتذالہ والحاقہ، بالجمادات اذلال لہ اھ ای وھو غیر جائز وبعضہ فی حکمۃ وصرح فی فتح القدیر ببطلانہ، قلت وفیہ انہ یجوز استرقاق الحربی وبیعہ وشرائہ وان اسلم بعد الاسترقاق والبیع والشراء بلی محلہ نفس الحیوانیۃ فلذا لایملک بیع لبن امتہ فی ظاہر الروایۃ کما سیاتی اھ۔ یعنی انسان کے بالوں کا فروخت کرنا جائز نہیں۔ آدمی کی بزرگی کی بنا پر خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ مصنف تنویر الابصار وغیرہ نے اس کا ذکر خنزیر کے بالوں کی بحث میں کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ آدمی چونکہ شرعاً مکرم (محترم) ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا اسکی ذات پر خرید و فروخت کا عقد منعقد کرنا اور اس طریقہ سے اسکو ذلیل کرنا، جمادات کی صف میں شمار کرنا اسکی ذات کی (تحقیر) ہوگی۔ اور یہ امر جائز نہیں ہے۔ اور اس کے جز (حصہ) کا حکم وہی ہے جو اس کے کل کا حکم ہے۔ فتح القدیر میں اسکی بیع کے باطل ہونے کی صراحت کر دیگئی ہے۔ لیکن اس مقام پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ایک دارکفر کے کافر کا غلام بنالینا اور اسکی خرید و فروخت تو جائز ہے۔ خواہ غلام بنالینے کے بعد وہ مسلمان ہی ہو گیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہوگا کہ جس امر کو یہاں حرام قرار دیا جا رہا ہے۔ وہ اسکی تخلیقی صورت کی تکریم کی بنیاد پر ہے۔ (اسکو بگاڑ دینا حرام ہے) یہی وجہ ہے کہ کسی میت کی ہڈی خواہ وہ کافر ہی ہو توڑنا حرام ہے۔ اور جس چیز کو غلام بنایا جاتا ہے، اسکی خرید و فروخت کی جاتی ہے وہ اسکی نفسِ حیوانیہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک آقا اپنی مملوکہ کنیز کا دودھ ظاہر روایت کے مطابق فروخت نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ عنقریب آنے والا ہے۔ اھ

اس روایت اور دیگر کتب فقہ حنفی کی اسی قسم کی روایات سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے جز و کل سے انتفاع و استعمال کے حرام ہونے کی علت فقہاء امت کے نزدیک اس کا اکرام و احترام ہے نہ کہ مردار کے اعضاء کی مثل نجس و ناپاک ہونا۔ لہٰذا انسان کے خون کو ماں کے دودھ سے تشبیہہ دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم۔ ■■